© rasailojaraid.com

سیرۃ الخلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام

مولانا الطاف الرحمٰن بنوی حقانی

قسط ۲

انسانیت افراط و تفریط کے انتہاؤں پر

جہاں نمرود فخر و غرور اور کبر و تعلّی سے اندھا ہوا جا رہا تھا۔ اور اس کی سرکشی اور تمرّد کا یہ عالم کہ مسند خدائی پر براجمان ہوا چاہتا تھا۔ وہاں نمرودیوں کی حالت بھی اس سے کچھ کم خراب اور بگڑی ہوئی نہ تھی۔ وہ جہالت اور ذلّت کے اس مقام پر پہنچے ہوئے تھے۔ جہاں عقل و ضمیر کی ساری خوبیاں اور صلاحیتیں چھن جاتی ہیں۔ اور ذہن کا گوشہ گوشہ تاریکی اور انا کا چپہ چپہ پستی میں ڈوب جاتا ہے۔ غرض حاکم و محکوم دونوں جادۂ اعتدال سے ہٹے ہوئے تھے اور افراط و تفریط کے انتہاؤں پر پہنچے ہوئے تھے۔ جبھی تو قدرت کو اس فسادِ عمومی کے تدارک کے لئے نبی کو مبعوث کرنا پڑا۔ نہیں تو نمرود اس شان و شوکت کے باوجود بہرحال فرد تھا۔ اور محض فرد کی اصلاح بعثتِ نبوت کا سبب ہرگز نہیں بنتی۔

حجۃ الاسلام امام غزالی کی شہرۂ آفاق کتاب "احیاء علوم الدین" کے بعض مباحث کی مدد سے افراط و تفریط کے اس اجمال کی تفصیل پر کچھ اس طرح سے روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ کہ قدرت نے انسان کی فطرت میں بہت سے ظاہری اور باطنی حواس کے علاوہ عقل، شہوت اور غضب کی تین قوتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ جن میں سے ہر ایک افراط وہ ذکاوت اور آج کل کی اصطلاح میں "روشن ضمیری" ہے جو حجت اور برہان کے کسی حد پر بھی رکنے کا نام نہیں لیتی۔ ایک ایسا بے ہودہ زعم تفلسف جو ہر بات کا بتنگڑ بنانے اور اس کی کھال اتارنے میں لطف محسوس کرتا ہے۔ عقل کے اسی درجے کا کمال ہے۔ ریب و شک اور احتمال در احتمال کے تسلسل میں زندگی بیت جاتی ہے۔ اور اطمینان و یقین کے کسی بھی اساس پر عمل کی نوبت نہیں آتی۔ تفریط کی صورت یہ کہ میزانِ عقل کا ایک ایک پرزہ اڑ گیا ہو اور بھلے بُرے کی تمیز کی ادنیٰ صلاحیت بھی باقی نہ رہی ہو۔ وہ ایک پالتو جانور کی طرح ہر اس ایرے غیرے نتھو خیرے کی تابعداری اور پیروی پر آمادہ ہو جو اس کی رسی پکڑ کر اپنی طرف کھینچ ڈالے۔ عقل کا یہ درجہ بلادت اور حماقت سے موسوم کیا جاتا ہے جو فی الواقعہ بے عقلی کے زیادہ قریب اور مشابہہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا اعتدال وہ حکمت اور دانائی ہے جو دلیل کے مقدمات اور ان کی ترتیب کی صحت و سقم کی رعایت سے تو غافل نہ ہو اور نہ ہی نقد و جرح کے عمل میں وہم، حسن ظن یا تقلید کا شکار، لیکن خواہ مخواہ کی موشگافیوں اور نکتہ آفرینیوں کا شوق بھی نہ چرایا ہوا اور نہ ہی کوئی احتمال ناشی من غیر دلیل اس کی قوت فیصلہ کو زک پہنچا سکتا ہو۔

شہوت کے افراط کو بوالہوسی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جو تمام تر رذائل کا منبع اور مخزن ہے شکم و شرمگاہ کی ساری بے شرمیاں اور بے حیائیاں یہیں سے پھوٹتی ہیں۔ بوالہوسی گوہر استغنا کو پاش پاش اور دامن عصمت کو تار تار کر دیتی ہے۔ اور انسان فسق و فجور اور حرص و آز کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس کی صورت تفریط یہ کہ غذا و جنس کی اتنی طلب بھی باقی نہ رہے جو بقائے نفس اور نوع کے لئے ضروری ہے۔ یہ کیفیت اشتہا کی بندش اور مردمیت کے تعطل سے تعبیر کی جا سکتی ہے۔ یہاں جذبات و احساسات کا تناؤ ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔ شباب بڑھاپے اور بہار خزاں میں بدل جاتا ہے اور مروّت و مردمیت کا ایک ایک وظیفہ چھوٹ جاتا ہے۔

اور اس کا اعتدال وہ سیر چشمی اور عفت و پاکدامنی ہیں جو ہر قسم کی نفس پرستی اور بد اخلاقی سے کوسوں دور لیکن جائز و مناسب موقع و محل میں جرأت اقدام سے ہرگز نہیں ہچکچاتیں۔ اور بڑی شائستگی کے ساتھ "ولنفسک علیک حق" کے تقاضے پوری کرتی ہیں۔

غضب کی بیشی تہوّر کہلاتی ہے جو درندگی اور بہیمیت کا دوسرا نام ہے۔ اس درجے کا انسان ہر لمحہ سفاکی اور خون ریزی پر تلا ہوا ہوتا ہے۔ اور رحم و رقت کا کوئی داعیہ اس کے ظلم و ستم اور چیرہ دستیوں کا راستہ نہیں روک سکتا۔ اس کی من مانیوں میں ادنی سے ادنی رکاوٹ اور خلل اندازی اس کی خشم گیری اور برافروختگی اور اس کے نتیجے میں مار دھاڑ اور قتل و غارت گری کی کافی وجہ بن سکتی ہے۔ غرض وہ خلقت کے لئے دائمی درد سر اور بلائے جان بنا رہتا ہے۔ غضب کی کمی جبن اور بزدلی کی صورت میں نمودار ہوتی ہے جو اپنے جائز حقوق کی تحصیل میں بھی پس و پیش اور لیت و لعل سے کام لیتی ہے۔ بزدل آدمی وجود ہستی کی تمام قیمتی خصوصیات سے خالی و تہی دامن پتھر کے کسی بھدے سے مجسمے یا زیادہ سے زیادہ عاج کی اس خوشنما مورت کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو صنعت گری کا قابل دید منظر پیش کرنے کے سوا کسی کام کی نہیں ہوتی۔ اور اس کا اعتدال وہ شجاعت اور بہادری ہے جس کا حامل تحمل و بردباری اور عفو و درگزر کی بیش قیمت خصلتوں کے ساتھ ساتھ بوقت ضرورت سرکشوں کی سرکوبی کا حوصلہ اور مقدرت بھی رکھتا ہو۔ مصائب و مشکلات کا داعی اور محرک نہیں۔ لیکن پیش آجانے پر ان کو للکارنے اور جوانمردی سے مقابلہ کرنے کا اہل ہو۔ نیز موت سے بھاگنے والا نہیں بلکہ اس کا پیچھا اور تعاقب کرنے والا ہو۔

انسانی نفسیات کے بیان کے سلسلے میں حکما نے اس کی ایک اور صفت نفسی "جاہ طلبی" کو بھی بڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شد و مد سے ذکر کیا ہے۔ اور اس کو انسانیت کا امتیازی نشان اور تعمیر ترقی کی جان بتایا ہے۔ دوسرے قویٰ کی طرح یہ بھی انہی تین خانوں میں بٹی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کا افراط اقتدار و حکمرانی کی وہ سخت ترین بھوک ہے جو "اَنَا رَبُّکُمُ الاَعلیٰ" سے کم پر کسی طور پر بھی قانع نہیں ہوتی۔ "ہمچوں من دیگرے نیست" کے گھمنڈ میں ایسی ایسی قباحتیں ابھر آتی ہیں جو خدا کی زمین کو فتنہ و فساد سے بھر دیتی ہیں۔[1]

اس کی تفریط تو انسانیت کی نفی کے مترادف ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں عزتِ نفس اور انسانی خودی کے تحفظ کا احساس تک ختم ہو جاتا ہے۔ اور نوعی فضل و شرف کی ہر قدر سے پہلو تہی برتنی بہت آسان ہو جاتی ہے۔ اس کا اعتدال یہ کہ فرق مراتب نہ کرنے کی "زندیقی" سے دامن کشاں اپنی انسانی شان و حیثیت سے کسی حال میں بھی دست بردار نہ ہو۔ استحقاق و اہلیت کی بنیاد پر، ہر کسی کے ساتھ اسی کے مناسب حال معاملہ کرنے میں کسی بھی عار و احتقار کا شکار نہ ہو۔

آیئے! اس تفصیل کی روشنی میں نمرود اور اس کی قوم کی سیرت کا جائزہ لیں۔ اور ان کے نفسیاتی اختلال کی نوعیت کا پتہ چلانے کی کوشش کریں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات جو غور و فکر کو ورطۂ حیرت میں ڈال

---

[1] حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں اسی درجے کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے۔

"انسان کا نفس امارہ جاہ اور سرداری کی محبت پر پیدا کیا گیا ہے۔ اس کا ارادہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے اقران و ہمعصروں پر بلندی اور فوقیت حاصل کرے۔ اور اس کی ذات کا تقاضا یہ ہے کہ ساری مخلوق اسی کی محتاج ہو۔ اور اس کے احکام اور اطاعت کی پیروی کرے۔ اور خود کسی کا محتاج نہ ہو۔ یہ در اصل اس کی طرف سے دعویٰ خدائی ہے۔ اور وحدہٗ لاشریک کے ساتھ دعویٰ ہمسری ہے۔ بلکہ یہ بے سعادت نفس شرکت پر بھی راضی نہیں ہوتا۔ یہ چاہتا ہے کہ صرف حاکم ہو اور باقی سب اس کے تابع اور محکوم ہوں۔ حدیثِ قدسی میں ہے "عَادِ نَفْسَکَ فَاِنَّھَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ" یعنی اپنے نفس سے عداوت رکھ کیونکہ یہ میری دشمنی پر کمر بستہ ہے"

(مکتوبات دفتر اول حصہ دوم مکتوب ۲ ۵)

علامہ شبلیؒ الکلام جلد ا میں عالم کون اور انسان کی باہمی کشمکش کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ "جاہ طلبی اس کو کہتے ہیں کہ جب تک تمام عالم کی گردنیں جھک نہ جائیں آرام نہ لے"

بیسویں صدی کے مشہور ماہر نفسیات سگمنڈ فرائڈ اسی کو انسان کی تمام تر سرگرمیوں کا محرک ثانی بتاتا ہے ان کا خیال تھا کہ ہمارے ہر کام کے لئے دو محرک ہوا کرتے ہیں۔ اول جنسی خواہش اور دوم بڑا بننے کی امنگ امریکی پروفیسر جان ڈیوی بھی الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتی ہے وہ دونوں فریقوں نمرود اور اس کی قوم کی وہ مشترک عقلی درماندگی اور افلاس ہے جو بلاشبہ ننگ انسانیت کہلاتے جانے کا مستحق ہے۔ نمرود ایک سراپا احتیاج انسان اپنے کو خدائی صفات کا حامل باور کئے ہوئے ہے اور اسی ناطے سے اپنی ذات اور شخصیت کو پوری قوم سے پُجوا رہا ہے۔ دوسری طرف قوم بھی اقتدار کے نشے میں چُور اس متنانے کی بڑ کو حقیقت سمجھی ہوئی ہے۔ اور بلا تامل اس کے حضور میں پیشانی کے بل گری پڑی ہے۔ یہ سوجھ بوجھ کا دیوالیہ نہیں تو اور کیا؟

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ انسان رفعت کی جس چوٹی اور عظمت کے جس مقام پر بھی فائز ہو اپنی ان تشنہ تکمیل آرزؤں سے چھٹکارا نہیں پا سکتا جو ہر آن اس کو اس کی بے بسی اور بے چارگی کا احساس دلاتی رہتی ہیں۔ اور پھر یہی احساس ایک ایسے اعلیٰ و اعظم کا تصور پیدا کر دیتا ہے۔ جو نہ صرف خود اس بیچارگی سے بری و رستگار ہو۔ بلکہ بیچاروں کا دستگیر و مددگار بھی ہو۔ پھر یہی متصور خواہی نخواہی ہر کسی کی امیدوں کا محور و مدار قرار پاتا ہے۔ اور اسی کی جانب شعوری یا غیر شعوری طور پر نیازمندی کی نگاہیں اٹھتی ہیں۔ کیا اس حقیقت کے باوجود فہم و دانش نمرود اپنی خدائی کا یقین رکھتا تھا اور کیا واقعی قوم کو اس کی ربوبیت کا اطمینان حاصل تھا۔ جب کہ ہر انسان کے لاشعور میں ہر ظلم و زیادتی کے خلاف ایک ایسی غیر مرئی قوت سے استعانت کا داعیہ موجود اور روبہ عمل ہے۔ جو نمرود کی طرح محض خوف و دہشت کا دیوتا نہیں بلکہ رحمت و رأفت کا گہوارہ بھی ہو جس کی پینگیں بے خوابوں کو آرام و راحت کی نیند سُلا سکیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ ٹھیک ہے۔ کہ عابد و معبود کی عقلوں کا تو فاتحہ پڑھا جا چکا تھا اور اب ان کے حق میں عقلی رہنمائی کی کوئی توقع باقی نہ رہی تھی لیکن وجدان کے یہ چبھتے تقاضے کیونکر ایسے بے اثر ثابت ہوئے کہ مدت العمر کسی فریق کو بھی اپنے رویے پر نظر ثانی کی توفیق نصیب نہ ہو سکی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عقلی خلا کو وجدان سے بھرنے کا یہ عمل اس صورت میں تو کارآمد اور مفید ثابت ہو سکتا ہے جب کہ وجدان ہر قسم کے دباؤ اور معارضے سے آزاد ہو لیکن اگر کئی حریف آکاس بیل کی طرح اس کے چپے چپے پر چھائے ہوتے ہوں تو اس کی فعالیت کی توقع رکھنا خام خیالی ہی ہو سکتی ہے۔

نمرود اور اس کی قوم عقلی زبوں حالی کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے ذمائم کا شکار تھے چنانچہ ان کے تاریخی احوال کا تجزیہ صاف طور پر بتاتا ہے کہ نمرود غضب اور جاہ طلبی کے افراط سے دوچار تھا کبھی تو ہر کسی کو اپنی کا قائل کرنے پر مصر اور بصورت دیگر آگ کی سخت ترین سزا تجویز کرنے کا روادار تھا۔ اور اس کی قوم ان دونوں چیزوں کی تفریط میں مبتلا تھی یہی وجہ تھی کہ وہ غیرت و حمیت کی اتنی سی پونجی بھی نہیں رکھتی تھی جو اس کو اس کے عقل و وجدان کو بار بار اپیل کرنے والے ہادی کی مدد پر کمربستہ یا کم سے کم اقتدار کی خوشنودی کے علی الرغم اس کی مخالفت سے باز رکھ سکتی۔ اس صورت حال میں وجدان کے آواز پر کان دھرنے کا موقعہ کب اور کیونکر ملتا جو انقلاب احوال کا سبب بن جاتا؟

© rasailojaraid.com